بغیر کسی انتخاب کے جو شعر سامنے آیا، میں لکھتا گیا۔ اس سے اندازہ کیجیے کہ "متاعِ آخرِ شب" ساری کی ساری دکانِ لعل و گہر ہے۔

اِن صفحات میں زیادہ لکھنا ممکن نہ تھا۔ سیارہ میں تفصیلی تبصرہ آسکے گا۔

بابری مسجد اور ہندوستانی مسلمان | مؤلف: راشد شاذ - ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف مسلم اُمہ افیئرز - علی گڑھ - ۲۰۲۰۰۱ - انڈیا - پوسٹ بکس ۷۷ - قیمت: ۳/- روپے

اچھے کاغذ اور خوبصورت طباعت کے ساتھ بڑا فکر طلب اور تشویش انگیز مقالہ ہمارے سامنے ہے۔ جب کسی ملک میں بگاڑ اور کسی قوم کے لیے مصیبت کا لمحہ آتا ہے تو صحیح توازن کے ساتھ تاریخی ڈرامے کی شریک قوموں کو سمجھنا اور اُن کی ذمہ داریاں متعین کرنا، اور ان میں سے کسی کو تباہی سے بچ نکلنے کی نازک پل صراط دکھانا کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ جسے خوبصورت ادبی انداز اور درمندانہ طرزِ فکر کے ساتھ مؤثر انداز میں پیش کر دیا جائے۔

پھر فتنہ کی آگ کو بھڑکانے اور اس سے جھلسنے والوں کو علامت کے انداز سے کوئی ہدایت کرنا یا کوئی امتناعی حکم سنانا نہایت غیر عملی مشغلہ ہے۔ طوفان کے اُترنے کے بعد اس کا تجزیہ کیجیے اور آرام سے لوگوں کو سمجھائیے۔

پھر میدانِ تاریخ میں ٹکراتی ہوئی قوتوں کی روش پر محاکمہ کرنا ادنیٰ درجے میں صحافی کا اور اونچی سطح پر مؤرخ کا کام ہوتا ہے۔ مگر یہ دونوں حالات کی رَو کو اچھے رُخ کی طرف موڑنے کے لیے کام ہی نہیں کر رہے ہوتے۔ مؤثر قوت وہ لیڈر ہوتا ہے، جس کے استدلال کا گہرا اثر تو دونوں جانب پڑے، مگر کم سے کم وہ کسی ایک قوت کو اپنے ساتھ لے کر کسی پسندیدہ راستے پر چلا سکے۔ اس پمفلٹ کا مقالہ نگار کم سے کم آخری نوعیت کا کردار نہیں ہے۔ اگر نہیں ہے تو اس قسم کی تحریروں میں بیان شدہ ادھوری حقیقتوں کے اثراتِ بد اس کشمکش میں کمزور قوت کو اور بھی خراب کریں گے جو اٹل طریق سے درپیش ہے۔

معاملے کی بنیادی ریڈنگ ہی درست نہیں۔ یعنی یہ بات کہ پاگل اکثریت اگر تمہارے گال پر

تھپڑ مارے تو اگر تم خوشی سے دوسرا گال آگے نہیں کرو گے تو اس کے تعصب کی آگ اور بھڑک جائے گی۔ حالانکہ یہاں مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کے تعصب کی ایک لمبی تاریخ ہے اور اس کا ریکارڈ موجود ہے۔ ہندو نے ہمیشہ مسلمان کو کچلنے اور ذلیل کرنے کی کوشش کی اور مسلمان قربانیاں دے کر اپنی سخت جانی کی وجہ سے ہزار خرابیوں اور کمزوریوں کے باوجود بھی زندہ رہا۔ "مسلم امہ انسٹی ٹیوٹ" کے نقطہ نظر کے مطابق بابری مسجد پر جونہی ہندوؤں میں شوق قبضہ نمودار ہوا تھا، مسلمانوں کو چاہیے تھا کہ ریزولیشن پاس کر کے اور وفد بھیج کر درخواست کرتے کہ ہمیں بڑی مسرت ہو گی اگر آپ اس مسجد پر قبضہ فرما لیں، بلکہ اور بھی جہاں جہاں ہماری مسجدوں کو آپ مندر بنانا چاہیں، بصد شوق بنالیں۔ ہم مسلمان لوگ تو صرف تبلیغ کا کام کرتے ہیں، سو وہ کرتے رہیں گے۔ تا آنکہ ایک دن خود ہی تم ہماری مسجدیں ہمیں واپس دے دو گے۔

سوال یہ ہے کہ وہ جہاں کہیں جانوں پر حملہ کرتے ہیں اور جہاں کہیں عصمتوں کو تاراج کرتے ہیں، وہاں یہ بھکشوؤں والی پالیسی کیا تقاضا کرے گی؟

اور ہندوستان ہی کا معاملہ نہیں۔ اگر آسام میں، برما میں، اسرائیل میں، افغانستان میں، فلپائن میں، یوگوسلافیہ میں، یونان میں کہیں بھی مقاومت دکھا رہے ہیں تو وہ غلطی پہ ہیں۔ "سچا اسلام" تو ان کو یہ راہ دکھاتا ہے کہ سب کچھ چپ چاپ مخالفوں کے حوالے کر دو اور پھر تبلیغ کرو۔ بلکہ بلکہ جن مسلمانوں نے تاتاریوں کا عین موسلی پر مقابلہ کر کے ان کو شکست دی تھی اور صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کا جو پارٹ رہا۔ اور عربی اور افریقی اسلامی ممالک میں اور خود برصغیر میں مغربی استعمار کی مزاحمت میں مسلمانوں نے جو قربانیاں دیں وہ سب انسٹی ٹیوٹ آف امت مسلمہ افیرز کے نقطہ نظر سے اسلامی ذمہ داریوں سے انحراف کا سبب تھیں۔

آج اگر ترکیہ کی ایماندار لڑکیوں نے سر ننگا رکھنے کے حکم کو چپ چاپ مان لیا ہوتا تو کیا ان پر فرشتے مبارک باد کے گلدستے پھینکتے، یا مسلمانان عالم تحسین کے لالہ و گل نچھاور کرتے۔ ان مجاہدات نے پردے کے ایک حکم کے تحفظ کے لیے جنگ لڑی اور کامیاب رہیں۔

بھارت کی ہندو اکثریت ایسے اسلام کی جڑیں کھود دینا چاہتی ہے، جو انفرادی عقیدوں اور خانی اخلاقیات اور ٹھنڈے ٹھنڈے بلکہ فدویانہ لفظوں سے ذرا بھی آگے بڑھنا چاہے۔

اسلام کی بنیاد پر کوئی مضبوط اجتماعیت بنے، یا اسلامی نظام کا کوئی تصور راسخ ہو یا اسلامی تہذیب کا کوئی نقشہ پیش نظر رکھا جائے۔ یا دستور، سیاست، معیشت اور معاشرت کے قانونی معاملوں میں مسلمان کسی خاص رجحان کو پسند کریں بلکہ پسند کرنے کی جرأت کریں تو ایسے اسلام کے لیے بھارت تو کیا مسلمان ریاستوں میں بھی کھلی جگہ نہیں۔

یہ سارا فلسفہ کھڑا کیا گیا ہے، مسلمانوں پر قوم پرستانہ رجحانات کا الزام رکھتے ہوئے۔ سوال یہ ہے کہ اگر کسی دور میں صحیح اسلامی تنظیمیں موجود نہ رہیں اور اگر موجود ہوں تو انہیں مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کے لئے فرصت نہ ہو بلکہ وہ ایسی دلچسپیوں کو تباہ کن سمجھیں تو آخر اور کسی نہ کسی نوع کی اجتماعتیں تو ابھریں گی اور وہ کام کریں گی۔ آپ کا کام ان سے الجھنا نہیں (جیسا کہ آپ ہندو اکثریت سے الجھنے سے اِتقا کرتے ہیں) آپ اپنی تبلیغ میں محو رہیئے۔ لوگ اپنے مسائل کو خود حل کرتے رہیں گے۔

آج بولنا اسے چاہیئے جو اس وقت کی صورت حالات میں بھی مسلمانوں کے لئے امید و تقویت کا ذریعہ بنے اور مستقبل کے لئے بھی ان کی اجتماعیت کی تعمیر صحیح اسلامی بنیادوں پر مضبوطی سے کرے۔ وہ کام مثلاً سو سال بعد نتیجہ دے گا۔ لیکن اس سے پہلے موجودہ مسلمانوں کو مظلومیت اور ناامیدی اور پریشان نظری کی قوتوں کے ہاتھوں تباہ و برباد تو نہیں ہونے دیا جا سکتا۔ وہ قومیت کے سہارے پر بھی زندہ رہیں تو اس کا امکان ہے کہ ان میں سے ایک ایک فرد کو آہستہ آہستہ اسلامیت کی بنیادوں پر لایا جا سکے۔

مختصر یہ کہ تبصرہ نگار متذکرہ پمفلٹ میں پیش کردہ فلسفہ طرازی کو نہ مسلمانوں کے موجودہ حالات میں مدد دینے کا ذریعہ سمجھتا ہے اور نہ مستقبل میں ان کو کوئی غیرت مند تہذیبی قوت بنا سکتا ہے۔

" امتہ افرنہ" سے وابستہ برادران کو چاہیئے کہ وہ بابری مسجد اور دوسرے موضوعات و مسائل کو خارج از بحث رکھیں کیونکہ ان کا نقطۂ نظر اسی کا متقاضی ہے۔ ان میں سے ہر فرد پمفلٹ کی سرِ عنوان آیت کے مطابق " اللہ کی طرف بلائے، نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں۔" باقی کام خدا کے دوسرے عزیمت دار مسلمانوں پر چھوڑ دیں۔